رسول کریم ﷺ کی دعائیں اور ان کا عرفان

اولاد کی تربیت دعاؤں سے کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ / جون ۱۹۹۱ء واشنگٹن ڈی سی۔امریکہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کا یہ خطبہ میں واشنگٹن ڈی ۔سی امریکہ سے دے رہا ہوں اور اس اعلان کی ضرورت اس لئے ہے کہ بہت سی جماعتوں میں اب براہ راست خطبے کی آواز پہنچنے لگی ہے ۔ چونکہ میں سفر پر ہوں اس لئے جہاں بھی کوئی خطبہ پڑھا جاتا ہے وہاں خطبہ کا آغاز اسی فقرے سے کرتا ہوں کہ اس وقت کہاں سے بول رہا ہوں۔

یہ سلسلہ مضامین جو جاری ہے اس کا تعلق قرآنی دعاؤں سے ہے ۔یعنی ان لوگوں کی دعاؤں سے جن کے متعلق ہم روزانہ سورۂ فاتحہ میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں ان انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلا۔ چونکہ یہ ایک بہت مشکل راہ ہے اس لئے میں نے پہلے سے ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ اس راہ پر چلنا دعاؤں کی مدد کے بغیر ممکن نہیں اور قرآن کریم نے خود ہی وہ سب دعائیں ہمیں سکھا دی ہیں جن دعاؤں کی مدد سے پہلے انعام یافتہ لوگوں نے یہ مشکل راہیں طے کیں۔پس ان دعاؤں سے غافل رہ کر ہر نماز میں یہ دعا کرتے رہنا کہ اے خدا! ہمیں انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلا کوئی معقول طریق نہیں ہے۔ایک طرف تو ایک بہت ہی مشکل راہ پر چلنے کی دعا مانگی جارہی ہے۔دوسری طرف ان لوگوں کی اداؤں سے پوری طرح ناواقف جن لوگوں نے اس سے پہلے ان

راہوں پر چل کر خدا سے انعام پائے تھے اور خدا تعالیٰ نے ان کا ذکر تفصیل سے قرآن کریم میں محفوظ فرما دیا کہ یہ وہ انعام یافتہ لوگ تھے۔ یہ یہ کیا کرتے تھے اور اس اس طرح مجھ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور پھر میں اس طرح قبول فرماتا تھا اور ان پر مزید انعامات کی بارش نازل فرمایا کرتا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی ایک دعا پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اب ایک اور دعا ہے جس کی ادا اس پہلی دعا سے کچھ مختلف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ (ص:۴۲) فرمایا کہ میرے بندے ایوب کو بھی تو یاد کرو۔ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ جب اس نے اپنے رب کو بڑے درد سے پکارا اور یہ کہا کہ مجھے شیطان نے بہت ہی تکلیف اور عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس دعا کی ادا کچھ مختلف اس رنگ میں ہے کہ یہ دعا سے بڑھ کر شکایت کا رنگ رکھتی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اس لئے تو میری مدد فرمایا یہ کر اور وہ کر بلکہ بے ساختہ درد کا اظہار ہے جیسے بسا اوقات کوئی بچہ اپنی بیماری کا بتاتا ہے کہ میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے اور آگے کچھ نہیں کہتا۔ تو بعض دفعہ ان مانگی دعائیں جو محض درد کا اظہار ہوتی ہیں بہت گہرا اثر رکھتی ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے معاً بعد فرمایا اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ (ص:۴۳) یہ بھی نہیں کہا کہ ہم نے دعا قبول کر لی کیونکہ دعا تو ایک بین بین سا رنگ رکھتی تھی۔ شکایت تھی یا بے ساختہ درد کا اظہار تھا۔ فوراً معاً مخاطب ہو کر فرماتا ہے۔ تو سوار ہو، ایک سواری پکڑ اور اپنی ایڑی سے اسے تیز بھگا۔ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ اور دیکھو یہ جگہ کیسی اچھے پانیوں پر مشتمل جگہ ہے، ٹھنڈی ہے اور بہت عمدہ نہانے کا پانی بھی اور پینے کا بھی میسر ہے۔

دراصل اس میں ہجرت کی طرف اشارہ تھا اور بعد کے واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ کو جس شیطان نے تنگ کر رکھا تھا وہ اس زمانے کا کوئی بہت ہی بڑا غاصب اور ظالم انسان تھا۔ حضرت ایوبؑ کے متعلق کہانیاں تو بہت مشہور ہیں لیکن قرآنی بیان سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اگر چہ جسمانی بیماری بھی تھی مگر محض کوئی ایک تکلیف نہیں تھی بلکہ آپ کے دشمنوں نے ہر طرح سے آپ کی زندگی آپ پر اجیرن کر رکھی تھی۔ آپ کے اموال لوٹ لئے گئے تھے، آپ کے جانوروں میں طرح طرح کی بیماریاں پھیلا دی گئی تھیں، آپ کے خاندان میں سے بعض لوگوں کو آپ سے منحرف اور بدظن کر دیا گیا تھا اور اتنے دردناک حالات پیدا کئے گئے کہ روایات میں آتا ہے کہ

آپ کی بیوی بھی آپ کو چھوڑ کر الگ ہوگئی تھی۔

ان تمام واقعات کا تو قرآن نے ذکر نہیں فرمایا لیکن جس رنگ میں اس دعا کے بعد خدا تعالیٰ حضرت ایوبؑ سے مخاطب ہوا اس سے پہلی بات تو یہ پتہ لگتی ہے کہ ہجرت کا حکم تھا۔ ان حالات میں مزید ایسی جگہ میں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ دوسرا وعدہ یہ تھا کہ تمہیں ہم ایک ٹھنڈی چشموں والی جگہ میں پہنچا دیں گے اور وہ ایسے چشمے ہیں جن سے تم اپنے جسم کو دھولو تو شفاء نصیب ہوگی۔ یہاں بَارِدٌ سے مراد ٹھنڈ پیدا کرنے والا پانی ہے۔ ٹھنڈا پانی نہیں کیونکہ تحقیق کرنے سے جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے حضرت ایوبؑ کو چونکہ خارش کی جسمانی بیماری تھی اور جسم پر ناسور پیدا ہو گئے تھے اس لئے گندھک کے چشموں والے علاقے کی طرف آپ کی ہجرت ہوئی ہے جو گرم ہوتا ہے لیکن جب ایک انسان کا جسم سوزش سے جل رہا ہو اور سخت بے قرار ہو تو گرم پانی جو اسے شفا دیتا ہے تو انسان ہمیشہ یہ کہتا ہے کہ مجھے ٹھنڈ پڑ گئی۔ چین نصیب ہوا۔ تو یہاں بَارِدٌ سے مراد ٹھنڈا پانی نہیں بلکہ تسکین بخش پانی ہے۔ صحت عطا کرنے والا پانی ہے۔ تبھی میں نے اس کا ترجمہ ٹھنڈا پانی نہیں کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ صحت بخش پانی۔ چنانچہ پینے کے لئے بھی اچھا تھا لیکن پینے کے لئے ضروری نہیں کہ وہی پانی استعمال ہوا ہو کیونکہ ہم نے ایسے علاقوں میں دیکھا ہے جہاں بہت ہی گرم پانی کے ابلتے ہوئے چشمے ہوتے ہیں ان میں جلد کے مریض جا کر نہاتے ہیں اور صحت یاب ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی بہت ہی ٹھنڈے پانی کے چشمے بھی ہوتے ہیں اتنا ٹھنڈا پانی کہ بعض دفعہ اس میں ہاتھ رکھا نہیں جاتا۔ کلو مناھلی میں اس قسم کے بہت چشمے ہیں۔ بچپن میں مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ہمیں وہاں لے کر گئے اور وہاں اتنا گرم پانی تھا کہ اس میں ہاتھ ڈالنا ناممکن تھا اور ساتھ ہی ٹھنڈے پانی کا چشمہ اتنا ٹھنڈا تھا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے انعام مقرر کیا کہ جو بچہ ایک منٹ ہاتھ رکھے گا میں اسے اتنا انعام دوں گا لیکن کوئی نہیں رکھ سکا۔ تو وہ ایسی جگہ تھی جہاں معنوی طور پر بھی بَارِدٌ پانی تھا اور ظاہری طور پر بھی ساتھ بَارِدٌ پانی موجود تھا۔ ایک پانی شفاء کے لئے بَارِدٌ تھا اور ایک پینے کے لئے ٹھنڈ پیدا کرتا تھا اور اچھا پانی تھا۔ پھر فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (ص: ۴۴) اور ہم نے اس کے گھر والے بھی اس کو واپس کر دیئے۔ معلوم ہوتا ہے ہجرت کے وقت وہ ساتھ نہیں گئے۔ جب ان کے حالات بہتر ہوئے تو پھر رفتہ

رفتہ وہ ملنے شروع ہوئے لیکن محض اہل وعیال ہی نہیں ملے۔ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ اور بہت سے ایسے خاندان مل گئے جو اپنے خاندان ہی کی طرح تھے اور یہ امر واقع ہے حضرت رسول اکرم ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو جتنے خاندان رشتہ دار پیچھے چھوڑے ان سے بہت بڑھ کر محبت کرنے والے خاندان اور رشتہ دار نصیب ہوئے اور روحانی طور پر اہل مدینہ نے اخوت کا حق ادا کر دیا۔ کبھی ہجرت کرنے والوں کو اپنے خاندانوں میں وہ سکون نہیں ملا، ایسی محبت ان سے نہیں کی گئی جیسے مدینہ کے انصار نے ان سے محبت کی یہاں تک کہ بہت سے ان میں سے ایسے تھے جنہوں نے اپنی آدھی جائیداد آنے والے مہاجرین کو بانٹ دی اور اتنا جذبہ تھا اپنا سب کچھ فدا کرنے کا کہ ایک دفعہ ایک صحابی حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے مال جائیداد ہر چیز تو تقسیم کر دی ہے مگر بیویاں میری ایک سے زائد ہیں۔ میں چاہتا ہوں اگر اجازت ہو تو آدھیوں کو طلاق دے دوں اور یہ جو مہاجر آئے ہیں بعض ان میں سے اپنی بیویوں کو پیچھے چھوڑ آئے تھے میں ان کے ساتھ ان کی شادی کروادوں (حوالہ۔۔۔) حیرت انگیز جذبہ تھا۔

پس حضرت ایوبؑ کے متعلق بھی معلوم ہوتا ہے جہاں ہجرت کی گئی وہاں کے لوگوں نے اسی طرح احسان کا سلوک کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ایسا ہوا ورنہ یہ فقرہ عجیب سا لگتا ہے۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ یہ تو ٹھیک ہے ہم نے اس کے اہل اس کو واپس کر دیئے۔ دوبارہ عطا فرما دیئے۔ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ اس جیسے اور بھی بہت سے۔ تو یہ ہجرت کا انعام تھا اور میں نے بھی دیکھا ہے پاکستان سے جب انگلستان آیا ہوں تو کثرت سے ایسے خاندان ہیں جو اس قدر محبت کا گہرا تعلق رکھتے ہیں کہ بالکل یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خاندان میں آ گئے ہیں اور نہ صرف یہ کہ فرق نہیں لگتا بلکہ کئی پہلوؤں سے زیادہ محبت اور شفقت کا اظہار کرنے والے خاندان ہیں۔ تو جب میں یہ آیت پڑھتا ہوں ہمیشہ مجھے مدینہ کی بات بھی یاد آتی ہے اور اپنے سفر کے بعد اللہ کی رحمت بھی یاد آتی ہے۔ لیکن جو خاص نکتہ غور کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ دعا بعض دفعہ بن مانگے محض درد کے اظہار کے نتیجہ میں قبول ہوتی ہے۔ اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک دعا کا ذکر گزرا ہے جس میں انہوں نے عرض کیا کہ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۵) اے میرے خدا میں مانگتا کچھ نہیں تو بہتر جانتا ہے کہ مجھے کس چیز کی حاجت ہے۔ پس جو تو چاہے میں اسی کا فقیر

ہوں اور اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے ہر ضرورت کو پورا کر دیا۔ گزشتہ خطبہ میں میں نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔ اب یہ بھی ایک ملتی جلتی دعا کی ادا ہے کہ اظہار درد تو ہے لیکن طلب کوئی نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ہاں ہم نے سن لیا ہے۔ تو بہت دکھ میں ہے۔ بہت تو نے صبر کیا۔ اب تو یہ یہ کام کر۔ تو نے صبر کیا کے لفظ یہاں تو نہیں آئے لیکن اس دعا کے بعد خدا کے سلوک کا ذکر چلتے ہوئے اس بات پر بات ختم ہوئی ہے۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (ص: ۴۵) کہ ہم نے اسے یعنی حضرت ایوب کو بہت ہی صبر کرنے والا پایا، کیا ہی اچھا بندہ تھا۔ الْعَبْدُ ہو تو ایسا ہو۔ نِعْمَ الْعَبْدُ کا محاورہ اس رنگ کا مضمون ہے جسے ہم اردو میں کہتے ہیں کیا خوب انسان تھا۔ انسان ہو تو ایسا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے بہت ہیں مگر ایسا بندہ ہو تب مزے کی بات ہے جیسے ایوب تھا۔ بہت ہی صبر کرنے والا تھا۔ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ اور کثرت سے میری طرف جھکنے والا تھا۔

پس دعا کی قبولیت کے پیچھے یہ مزاج بھی تو ہیں جنہیں اپنانا ہوگا۔ محض درد کا اظہار کافی نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ درد کا اظہار اگر ایسے بندہ کی طرف سے ہو جو صابر ہو تو دل پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اور عام انسانی معاملات میں میں نے تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ بعض لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر درد کا اظہار کرتے ہیں وہ مانگیں بھی تو ان کو دینے پر دل نہیں کرتا۔ جس طرح بعض بندے جن کو مانگنے کی عادت نہیں ہے وہ خاموش رہتے ہیں اور صبر پر صبر کرتے چلے جاتے ہیں۔ جب ان کا صبر ٹوٹتا ہے تو بے اختیار ان کے لئے دل پھٹنے لگتا ہے اور انسان کہتا ہے کہ بہت ہی تکلیف میں ہوگا۔ جب اس نے یوں ہاتھ پھیلایا ہے۔ تو ایک تو اس دعا سے پہلے حضرت ایوبؑ کا صبر ہے جس نے ایک پس منظر بنایا اور پھر اَوَّابٌ کا مطلب ہے ہر بات میں خدا کی طرف دوڑتا تھا۔ غیر کی طرف نہیں جاتا تھا۔ جب بھی کوئی ضرورت پڑتی تھی۔ جب بھی کوئی تکلیف ہوتی تھی اگر دوڑتا تھا تو خدا کی طرف دوڑتا تھا۔ یہ دو عادتیں ہیں جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو اس شان کے ساتھ قبول کیا ہے۔

پس جب بھی آپ قرآنی دعائیں مانگا کریں تو ان اداؤں کے ساتھ مانگا کریں جن اداؤں کے ساتھ پھر دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ بعض لوگ مجھے کہتے ہیں کہ جی ہمیں آپ دعا لکھ دیجئے جو ہم کرتے رہیں۔ بعض کہتے ہیں ہم یہ ورد کرتے چلے جا رہے ہیں۔ گھنٹوں مصلے پر بیٹھ کر یہ ورد کرتے

چلے جاتے ہیں۔ ہماری دعا تو ابھی تک قبول نہیں ہوئی لیکن بغیر اداؤں کے کیسے قبول ہوگی۔ **پیار تو اداؤں پر آتا ہے کلمات پر نہیں آیا کرتا**۔ ایک ہی بات ایک عام آدمی کہتا ہے بعض دفعہ اس پر غصہ آجاتا ہے ایک ایسا شخص جس سے پیار پیدا ہو جائے جب وہ بات کہتا ہے تو اس پر پیار آتا ہے۔ پیار آنا ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے اور قبولیت دعا کا پیار سے تعلق ہے۔ جس طرح شاعر نے کہا ہے کہ:۔

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصہ پر پیار آتا ہے

اب دونوں کا آپس کا تعلق اس قسم کا ہے کہ ایک شخص کو نفرت ہے ایک کو محبت ہے۔ جس کو نفرت ہے کہنے والا کہتا ہے ہم اس سے پیار کرتے ہیں تو اسے ہم پر غصہ آجاتا ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ جب اسے غصہ آتا ہے تو ہمیں پیار آجاتا ہے۔ تو یہاں دعاؤں کے معاملہ میں محض لفظوں کی بات نہیں ہے کہ کسی نبی کے الفاظ آپ دہرانے لگ جائیں۔ قرآن کریم نے ان کیفیات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان حالات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان نبیوں کے اخلاق کا ذکر فرمایا ہے۔ ان نبیوں کے اپنے ساتھ تعلقات کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ ایک پس منظر بنا کر پھر وہ دعا سکھائی گئی ہے۔ اس پس منظر کے پیدا کرنے کے لئے اگر انسان کوشش کرے اگر چہ ویسا نہ بھی بن سکے لیکن کچھ تو ہو پھر دعا کر کے دیکھے کبھی خطا نہیں جائے گی۔ میرا تو ایمان ہے کہ وہ دعا جو انبیاء نے کی اور خطا نہ گئی اگر اسی درد اور اسی جذبے کے ساتھ کی جائے تو کبھی خطا نہیں جائے گی۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ وہ اچھے ڈاکٹر جو نسخے بیان کرتے ہیں اور ساتھ اس کے متعلق تفصیل سے بتاتے ہیں کہ یہ یہ باتیں ہوں تو نسخہ کارگر ہوگا۔ ان کا نسخہ واقعی کارگر ہوتا ہے میں ہومیو پیتھک کا شوق رکھتا ہوں اور میں نے دیکھا ہے بعض ڈاکٹر جو نسخہ بتاتے ہیں شاذ ہی کبھی کامیاب ہوتا لیکن بعض جو تفصیل سے بتاتے ہیں یہ یہ باتیں ہوں تو کامیاب ہوگا وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ سے بہتر کون ڈاکٹر ہو سکتا ہے جو انسان کی ہر اصلاح کے لئے ہمیں قرآن کریم جیسا نسخہ عطا کرتا ہے۔ آپ غور سے دیکھیں تو قرآن کریم کی ہر دعا سے پہلے اس کا پس منظر بیان ہوا ہے۔ وہ ساری ادائیں تفصیل سے زیر بحث لائی گئی ہیں جن پر نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول فرمایا۔

اب ایک دلچسپ دعا ایسی ہے جو بندے نہیں کر رہے بلکہ فرشتے کرتے ہیں۔ فرمایا

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ (المومن:۸) کہ ہمارے بعض ایسے ملائک ہیں جو ہم نے پیدا کئے جو عرش کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ وَمَنْ حَوْلَهٗ اور جو کچھ بھی اس کے اردگرد ہے ۔ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وہ خدا کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کرتے ہیں وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اور وہ اس پر پوری طرح ایمان لاتے ہیں۔ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو لوگ بھی ایمان لاتے ہیں ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

اس آیت کا اکثر مفسرین یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ گویا نعوذ باللہ من ذالک آسمان پر کہیں عرش کوئی ایسا تخت ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے اور اس کو کچھ فرشتے کندھوں پر اٹھائے ہوتے ہیں اور یہ ان فرشتوں کی دعا ہے۔ یہ ایک بالکل جاہلانہ تصور ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ساری کائنات کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اس کو اٹھانے والا کون ہے۔ اس لئے عرش سے مراد ہرگز کسی قسم کا کوئی جسمانی عرش نہیں۔

عرش کے مختلف معانی ہیں۔ قرآن کریم میں عرش کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے **اور عرش سے نظام کائنات ہی مراد ہے۔** چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب ہم نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اس کے بعد فرمایا۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف:۵۵) پھر اللہ تعالیٰ نے عرش پر استویٰ کیا۔ تو عرش سے مراد وہ ساری کائنات تھی اور اس کا نظام تھا جس کو خدا نے پیدا کیا اور پھر اس کو سنبھال لیا، اس کا انتظام چلایا۔ پس وہ طاقتیں جو نظام کائنات کو چلانے والی طاقتیں ہیں اور نظام کائنات کی جب ہم بات کرتے ہیں تو صرف ظاہری نظام کائنات نہیں بلکہ روحانی نظام کائنات بھی ہے اور یہاں غالباً اسی کا ذکر ہے کہ وہ خدا کے پیدا کردہ فرشتے یا وہ طاقتیں جو روحانی نظام عالم کو چلانے کی ذمہ دار ہیں وہ خدا کی حمد کرتی ہیں، اس کی تسبیح کرتی ہیں اور پھر یہ عرض کرتی ہیں کہ اے خدا! مومنوں سے مغفرت کا سلوک فرما۔ فرشتوں کی طرف زیادہ دھیان اس لئے جاتا ہے کہ یہاں اپنے لئے انہوں نے استغفار نہیں مانگی۔ یہ بھی ممکن تھا اس آیت کا ترجمہ کہ خدا کے فرشتہ صفت انسان یہ دعا کرتے ہیں لیکن فرشتہ صفت انسانوں میں سب سے بڑھ کر تو محمد رسول اللہ ﷺ تھے وہ پہلے اپنے لئے استغفار فرماتے تھے پھر مومنوں کے لئے استغفار فرماتے تھے۔ چونکہ

ملائکہ کو بدی کی طاقت نہیں ہے۔ان کو اختیار ہی نہیں ہے۔اس لئے وہ اپنے لئے استغفار کر ہی نہیں سکتے۔ان کے لئے بے اختیاری کی بات ہے۔پس اس لئے یہاں ترجمہ یہی کرنا پڑے گا کہ ایسے فرشتے جو روحانی نظام کو چلانے والے ہیں ان کا دل بھی چاہتا ہوگا کہ ہم بھی استغفار کریں اور چونکہ ان پر استغفار اطلاق نہیں پاتا اس لئے وہ خدا کے مومن بندوں کے لئے استغفار کرتے ہیں اور استغفار اس طرح کرتے ہیں۔رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا اے ہمارے رب! وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا تو نے اپنے علم اور رحمت کے ذریعے ہر چیز پر احاطہ کر لیا ہے۔تیرا علم بھی ہر چیز پر حاوی ہے اور تیری رحمت بھی ہر چیز پر حاوی ہے فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا پس ان لوگوں سے مغفرت کا سلوک فرما جو توبہ کرتے ہیں۔وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ اور جو تیرے رستے پر چلتے ہیں۔وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ اور ان کو آگ کے عذاب سے بچا۔ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اے ہمارے رب ان کو ہمیشگی کی جنتوں میں داخل فرما دے۔وہ جنتیں جن کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے اور ان کو بھی جو ان کے آباواجداد میں سے اچھے لوگ تھے۔وَذُرِّيّٰتِهِمْ اور ان کی اولادوں کو بھی اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یقیناً تو غالب علم رکھنے والا اور صاحب حکمت ہے۔وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ (المومن:۱۰) ان کو بدیوں سے بچا۔وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ آج اگر تو کسی کو بدیوں سے بچاوے تو تو نے اس پر بہت رحم فرمایا۔وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور یہ خدا ہی ہے جو بہت مغفرت کرنے والا اور یہ بہت ہی عظیم کامیابی ہے۔

ان آیات میں دو باتیں ایسی ہیں جو میں خاص طور پر آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں۔ اگر چہ ملائک کے متعلق یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ بنی نوع انسان اور مومنوں کے لئے استغفار کرتے تھے لیکن حضرت اقدس محمد ﷺ بھی تمام بنی نوع انسان خصوصاً مومنوں کے لئے استغفار کرتے تھے اور چونکہ آپ بھی رحمۃ العالمین تھے اس لئے جب میں یہ پڑھتا ہوں کہ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا اے ہمارے رب تو ہر چیز پر اپنی رحمت کے ذریعے عام ہو گیا ہے تو وہ پہلا نبی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام بنی نوع انسان کے لئے عام کی گئی وہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے استغفار کا بھی اس میں ذکر ہے اور آپ کی رحمت جو تمام بنی نوع انسان پر پہنچی ہے زیادہ تر آپ کی دعاؤں کے ذریعہ پہنچی ہے کیونکہ براہ راست آپ کی تعلیم کے ذریعہ آپ کا فیض عام نہیں ہوا۔ وَّ عِلْمًا میں تعلیم کا ذکر ہے اور رَّحْمَةً میں آپ کی برکتوں کا ذکر ہے۔پس ایک ہی نبی جس کی تعلیم بھی تمام بنی نوع انسان کے لئے عام تھی اور جس کی رحمت بھی عام تھی وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے اگر چہ تعلیم تو سب جگہ نہیں پہنچ سکی اور آج بھی نہیں پہنچ سکی۔آج بھی جس ملک میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں اس ملک کے اکثر باشندے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم سے غافل ہیں جو تمام بنی نوع انسان کے لئے تھی لیکن آپ کی رحمت ضرور پہنچی ہے اور رحمت اگلوں کو بھی پہنچی ہے اور پچھلوں کو بھی پہنچی ہے اور تمام عالم کو پہنچی ہے۔

اس مضمون کو سمجھنے کے لئے آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہماری طرف سے یہ محض دعویٰ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔آنحضور ﷺ کو مقصود کائنات بتایا گیا ہے اور چونکہ شریعت نے ترقی کرتے ہوئے بالآخر جس طرح ارتقا انسان تک پہنچا۔حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم تک پہنچنا تھا۔گویا اسلام میں شریعت کا ارتقاء ہے۔اس پہلو سے جو پہلے لوگ تھے ان سب کو جو تربیت دی گئی وہ اسی طرف قدم بڑھانے کی غرض سے تربیت دی گئی اور تمام دنیا میں جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت نازل ہوئی اور رحمت کے نزول ہوئے ان سب کو بالآخر آنحضرت ﷺ کی طرف سے پیدا کی جانے والی عالمی برادری کا جز بننے کے لئے تیار کیا جارہا تھا۔پھر جس طرح درخت کو پھل لگتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی مراد کو پہنچ گیا لیکن پھل لگنے کے بعد تو اس کی خدمت نہیں کی جاتی۔درخت کی خدمت کو بیج ڈالتے وقت بلکہ بیج ڈالنے سے پہلے شروع کر دی جاتی ہے جب آپ مٹی کھودتے ہیں اس کو نرم کرتے ہیں، جب آپ کھاد کا انتظام کرتے ہیں اور پانی کا انتظام کرتے ہیں۔ابھی بیج بویا بھی نہیں تو یہ سب انتظام شروع ہیں۔پھر بیج بوتے ہیں، پھر وہ درخت بنتا ہے اور مسلسل اس کی نگہداشت جاری رہتی ہے۔یہاں تک کہ بالآخر وہ پھل پیدا کرنے لگ جاتا ہے۔

پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا فیض اگر زمانے میں بھی پہلوں کو پہنچا اور کائنات میں بھی ہر جگہ عام تھا تو یہ کوئی فرضی دعویٰ نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (حوالہ۔۔) کہ اے میرے بندے اگر تجھے پیدا کرنا

مقصود نہ ہوتا تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا کیونکہ اس کائنات کا پھل تو ہے۔ اس کا مقصود تو ہے۔ تجھ جیسا میں نے پیدا کرنا تھا بیچ میں دوسرے بھی پیدا ہو گئے اور درخت کے پھل کے لئے لکڑی بھی تو پیدا ہوتی ہے۔ پتے بھی تو پیدا ہوتے ہیں اور ان کے مختلف فوائد بھی دنیا کو پہنچتے ہیں۔ تو یہ وہ معنی ہے جن معنی میں میں سمجھتا ہوں کہ فرشتے خدا سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! تیری رحمت اور علم تو سب دنیا میں اب عام ہو چکے ہیں۔ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ اس لئے ہر اس شخص پر رحم فرما اس کی توبہ قبول فرما جو تیری طرف توبہ سے جھکتا ہے اور اس کو آگ کے عذاب سے بچا۔

یہاں يَوْمَئِذٍ کا معنی بھی سمجھ آجاتا ہے۔ اس دعا میں فرشتے یہ عرض کرتے ہیں وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۚ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ یہاں یوم سے مراد زمانہ ہے۔ عام طور پر تو عقل میں یہی بات آنی چاہئے کہ جس زمانے میں بھی خدا کسی پر رحم کرے کسی کو بخش دے، وہ اس نے بہت رحم کیا۔ یومئذ سے کیا مراد ہے؟ فرشتے یہی کہتے ہیں کہ آج تو جس کو بخش دے وہ مراد کو پہنچ گیا۔ مراد یہ ہے کہ جو زمانہ محمد مصطفی ﷺ میں بخشا جائے اس کی کیا ہی شان ہے؟ یہ وہ زمانہ ہے جو خدا سے رحمت طلب کرنے والا اور خدا کی طرف توبہ کے ساتھ رجوع کرنے کا زمانہ ہے۔ دوسرے اس آیت کے ذریعہ ہمیں رَحِمْتَهٗ یعنی تو نے رحم کیا، کی ایک ایسی تشریح معلوم ہوئی جو اس سے پہلے معلوم نہیں تھی۔ ہم دعا کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا (البقرہ: ۲۸۷) قرآن کریم کی یہ دعا ہے جو ہمیں سکھائی گئی وَاعْفُ عَنَّا ہم سے درگزر فرما وَاغْفِرْ لَنَا اور ہمیں بخش دے وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما عام دعا کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ رحم سے مراد یہ ہے کہ جس طرح فقیر کہتا ہے ہماری حالت زار ہے، بھوکے ہیں، ننگے ہیں، کوئی دے دے رحم فرمائے لیکن یہاں رحم کا معنی اس سے بہت زیادہ گہرا ہے۔ چنانچہ ملائکہ اللہ نے اپنی دعا کے دوران آخر پر جا کر اس مضمون کو کھولا۔ وہ عرض کرتے وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ کہ اس زمانہ میں یعنی شریعت محمدیہ کے زمانہ میں جس کو تو بدیوں سے بچاوے اس پر تو رحم فرماتا ہے یعنی ترے رحم کا مطلب ہے کسی کو بدیوں سے بچانا اور خصوصاً زمانہ نبوی میں جو شخص بدیوں سے بچا رہے کیونکہ سب سے بڑی آزمائشیں بدیوں کے لئے زمانہ نبوی میں مقدر تھیں۔ وہی ہے جس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ تو نے

اس پر رحم فرمایا۔ اب دوبارہ اس دعا کو پڑھیں تو اس کا زیادہ واضح مضمون سمجھ میں آجاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں ہم سے عفو کا سلوک فرما۔ جو غلطیاں ہم کر جاتے ہیں ان سے صرف نظر فرمالے۔ گویا تو نے دیکھا ہی نہیں۔ وَاغْفِرْلَنَا جو گناہ کر بیٹھے ہیں وہ بخش دے اس لئے تا کہ ہم اور گناہ کرتے چلے جائیں؟ نہیں !وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما ان معنوں میں کہ ہمیں بدیوں سے بچالے۔ ہم آئندہ بدیاں کریں ہی نہ۔

پس یہ مضمون ملائکہ کی اس دعا سے واضح ہوا اور جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا یومئذ اس لئے کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود پیشگوئی فرمائی ہے کہ جیسی بدیوں کی آزمائش میری امت میں آنے والی ہے ویسی آزمائش کبھی کائنات میں نہیں آئی۔ فرمایا کہ میرے زمانہ میں دجال نے پیدا ہونا ہے اور فرمایا کہ دجال سے تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو ڈراتے آئے ہیں کہ خبردار! ایک ایسا زمانہ ظاہر ہونے والا ہے کہ دجال ظاہر ہوگا (حوالہ۔۔) اور کبھی ایسی بدیاں انسان کے سامنے امتحان بن کر اٹھ کھڑی نہیں ہوں گی جیسے اس زمانہ میں اٹھ کھڑی ہوں گی اور اکثر انسانوں کو مغلوب کر لیں گی بدیاں پیدا کرنے والے کا نقشہ بھی ایک بہت بڑے دیو ہیکل وجود کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو مذہب سے کلیۃً عاری اور دنیا میں بے انتہا ترقی یافتہ ہے اور جہاں تک بدیوں کی تفاصیل کا تعلق ہے تو احادیث میں بھی اور قرآن کریم میں بھی مختلف جگہ پر ان کا ذکر ملتا ہے کہ آئندہ ایسے ایسے دن آنے والے ہیں اور یہ وہ دن ہیں جن میں سے ہم گزر رہے ہیں۔ پس یَوْمَئِذٍ کا سب سے زیادہ تعلق اس زمانہ سے ہے۔ اب دیکھیں کہ اس دور میں مغرب سے جیسی بدیوں کے سیلاب نکلے ہیں اور دنیا کو ڈبوتے چلے گئے ہیں ویسے اس سے پہلے کسی زمانے میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ جس ملک میں آپ بیٹھے ہیں یہ بعینہٖ اس نقشے کا تصور ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دجال کی اداؤں کے متعلق کھینچا تھا۔ چودہ سو سال پہلے آپ نے فرمایا کہ اس کی دینی آنکھ نہیں ہوگی یعنی روحانیت سے اور تقویٰ سے اور اللہ کی محبت سے وہ عاری ہوگا لیکن بائیں آنکھ بہت بڑی اور روشن ہوگی اور اتنی بصیرت والی ہوگی کہ وہ پاتال تک نظر ڈالے گی۔ زمین کے راز دیکھ لیا کرے گی۔ (حوالہ۔۔) پس آج کی دنیا میں کوئی طاقت امریکہ سے بڑھ کر سائنس پر عبور حاصل کرنے والی پیدا نہیں ہوئی۔ بدیاں بھی یہیں سے نکل کر سب دنیا میں پھیل رہی ہیں اور دنیاوی ترقیات کے لحاظ سے بھی یہی ملک ہے جو سب سے آگے ہے۔ پس جب یہ دعا آپ پڑھیں تو سوچیں کہ یہاں یومئذ سے کون سا دور مراد ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

کی امت کا وہ دور جس میں بدیاں پھیلنا مقدر تھیں۔ آپؐ آئے تھے رحمت اور علم پھیلانے کے لئے مگر اسی امت میں ایک ایسا دور بھی آنا تھا جبکہ ہر طرف سیئات نے پھیل جانا تھا تو کیسی اچھی دعا ہمارے لئے کی گئی ہے۔ ابھی ہم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ عرش پر خدا کے فرشتے اس زمانہ کو یاد کر کے ہمارے لئے دعائیں کرتے تھے کہ اے خدا! اس دور میں دعاؤں کی مدد کے بغیر وہ بچ نہیں سکیں گے۔ بہت بڑی ذمہ داریاں ان پر ہوں گی اور کمزور لوگ ہوں گے۔ ان کے مقابل پر اتنی بڑی طاقتیں ظاہر ہوں گی کہ تو خود فرماتا ہے کہ ایسی طاقتیں کبھی دنیا میں جاری نہیں کی گئیں۔ اس لئے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ رحم کا سلوک فرما ان کو بدیوں سے بچانا۔

پس یہاں جو ماں باپ اپنے بچوں کے متعلق اپنی بچیوں کے متعلق فکر مند رہتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بتائیں کیا نسخہ ہم استعمال کریں وہاں اور نسخوں سے پہلے سب سے بڑا نسخہ میں دعا کا بتاتا ہوں۔ اور دعا کس رنگ میں کرنی چاہئے یہ آپ کو قرآن کریم کی اس آیت نے بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے وہ فرشتے جن کے ذریعہ نظام روحانی جاری ہے۔ جن کے کندھوں پر روحانی نظام چلانے کا بوجھ ہے ان کی دعا ایک بہت ہی معنی خیز دعا ہے گہری نظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ دعا کی ہے۔ پس ہمیں بھی اس دعا میں شامل ہو جانا چاہئے اور جس طرح کہ میں نے اس کی تفصیل بتائی ہے اس کا پس منظر سکھایا ہے ان معنوں میں یہ دعا اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے کیا کریں۔

ایک اور دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کو سکھائی۔ یہ سواری کی دعا ہے۔ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف: ۱۴، ۱۵) کہ وہ لوگ جب سوار ہوتے ہیں تو سوار ہونے پر خدا سے یہ دعا مانگتے ہیں فرمایا جب تم سواریوں پر چڑھ جایا کرو اور قرار پکڑ لیا کرو تب یہ کہا کرو سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا پاک ہے وہ ذات جس نے سواری کو ہمارے لئے مسخر فرما دیا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ہم تو اس لائق نہیں تھے کہ سواری کو اپنے تابع کر سکیں۔ مُقْرِنِيْنَ کا مطلب ہے لگام ڈال سکیں۔ مسخر کرنا جیسے کسی چیز کو ہمیشہ کے لئے دائمی طور پر اپنا غلام بنا لیا جائے اور اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اور وہ چیز مجال نہ رکھتی ہو کہ مالک کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر سکے۔ یہ مضمون ہے جو تسخیر کے تابع ہے اور اسی کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا وَمَا

كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ہم ہرگز طاقت نہیں رکھتے تھے کہ اسے اپنے تابع فرمان کر سکتے وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اور یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

یہ دعا بھی اس زمانے کے ساتھ خصوصیت سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ پہلی سواریاں جو انسان کے لئے بنائی گئی تھیں یعنی جانوران میں اور موجودہ سواریوں میں بہت بڑا فرق پڑ چکا ہے۔ یہ سواریاں غیر معمولی طور پر طاقتور ہیں اور ان کا تعلق بھی اسی دجال سے ہے جس کے متعلق میں ابھی دعا پڑھ چکا ہوں۔ اس لئے گو یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ آگے پیچھے بھی دعائیں اسی لئے رکھی گئیں کہ یہ اسی زمانہ کی دعائیں ہیں کیونکہ صورت الگ الگ ہے لیکن خواہ کوئی اسے حسن اتفاق سمجھے خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص تقدیر سمجھے۔ امر واقعہ یہی ہے کہ جہاں پہلی دعا کا ذکر ہے اور آخری زمانے کی بدیوں کا ذکر ہے وہاں اس کے معاً بعد جو دوسری دعا ہمیں قرآن کریم میں ملتی ہے وہ یہی دعا ہے اس لئے میرا رجحان اسی طرف ہے کہ یہاں موجودہ زمانے کی سواریاں خصوصیت سے پیش نظر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں سکھاتا ہے کہ جب ان سواریوں پر بیٹھا کرو تو یہ دعا کیا کرو کہ بظاہر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے قابو کر لی ہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ تیرے ہی قابو میں ہیں۔ اگر تیرا قانون قدرت ساتھ نہ دے تو یہ سواریاں ہرگز ہمارے قابو نہیں آسکتیں اور واقعہ یہی ہے کہ موجودہ دور میں جب بھی سائنسدانوں نے تکبر کئے ہیں خصوصاً سواریوں کے معاملہ میں تو ہمیشہ ان کو منہ کی کھانی پڑی ہے۔

انگلستان میں ایک بہت بڑا جہاز بنایا گیا۔ اتنا شاندار کہ کہتے تھے کہ کبھی ایسا جہاز نہ بنا۔ اور شاید نہ آئندہ بن سکے اور بہت ہی فخر تھا انگلستان کو کہ ایسا مسافر جہاز جو انگلستان سے امریکہ تک سفر کرے گا پہلے کبھی اس کا تصور نہیں تھا۔ ہر قسم کی سہولت تھی، ہر قسم کے خطرات سے بچنے کا انتظام تھا اور بڑی شان اور تکبر کے ساتھ انہوں نے روانہ کیا اور وہ اپنے پہلے تجرباتی سفر میں ہی سمندر میں غرق ہو گیا اور بے شمار لوگ اس کے ساتھ غرق ہو گئے جو بڑی شان کے ساتھ اس پہلے تاریخی سفر میں شامل ہو رہے تھے۔ جہازوں کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ اعتبار ہو بھی تو قانون قدرت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب طوفان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو انسان کی بنائی ہوئی مشین ان کے سامنے بالکل ایک پرکاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح ایک چھوٹا سا خاک کا ذرہ ہو یا ایک تنکا ہو اور وہ اڑتا پھرے ایسی حیثیت ہو جایا کرتی ہے اس لئے احمدیوں کو خصوصیت سے یاد رکھنا چاہئے کہ ہر سواری پر سوار ہونے

کے بعد یہ دعا کیا کریں لیکن اس کے ساتھ ایک اور بھی کلمہ زائد فرما دیا گیا جو بہت ہی پر لطف کلمہ ہے وہ یہ ہے کہ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ کہ ہم نے آخر خدا ہی کی طرف جانا ہے بہت گہرا مضمون ہے جو اس کلمے میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ سواریوں پر بیٹھتے ہوئے خصوصاً خطرناک سواریوں پر بیٹھتے ہوئے خدا کے مومن بندے دعائیں تو کرتے ہیں لیکن ڈرتے نہیں ہیں۔ وہ دعا کرنے کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے خدا! یہ تو عارضی سفر ہے۔ اصل سفر تو ہمارا تیری طرف ہونا ہے۔ ہم نے بالآخر تجھ تک پہنچنا ہے اس لئے اگر تیری مرضی یہ ہو کہ یہ جہاز غرق ہو جائے ہم اپنے وطن واپس نہ بھی جاسکیں تو اصل وطن تو وہ ہے جہاں تو ہے۔ جہاں تجھ سے جا کر ملنا ہے اس لئے ہم یقین رکھتے ہیں وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ہم تو یقیناً اپنے رب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اس کا ایک دلچسپ تجربہ مجھے بھی ہوا۔ ۱۹۶۵ء میں جب میں سری لنکا گیا تو جس جہاز پر میں سوار تھا میرے ساتھ سری لنکا کے ایک کیبنٹ منسٹر بھی تھے۔ ہم سری لنکا پہنچنے لگے تو اس سے چند منٹ پہلے ایسا خوفناک طوفان آیا کہ میں نے اس سے پہلے جہاز میں کبھی ایسا خوفناک منظر نہیں دیکھا۔ کہرام مچ گیا۔ سارے جہاز میں چیخ و پکار اور دعائیں، کوئی بیوی بچوں کو یاد کر رہا تھا کوئی خدا کو یاد کر رہا تھا اور جہاز بے حد اونچا نیچا ہو رہا تھا اور میں اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے یہ دعا یاد تھی اور میں بالکل ایک ذرا بھی فکر میں مبتلا نہیں ہوا۔ خیر خدا نے فضل کیا۔ کچھ دیر کے بعد ہم اس طوفان سے گزر گئے۔ جب نیچے اترنے لگے تو اس نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو۔ میں نے کہا میں مسلمان ہوں۔ کہتا ہے کہ اس جہاز میں اور بھی تو بہت سے مسلمان سفر کر رہے ہیں تم کون سے مسلمان ہو۔ خیر میں اس کی بات سمجھ گیا۔ میں نے اس کو بتایا۔ کہتا ہے میں حیران ہوں کہ سارا جہاز ایک قیامت کا نمونہ دکھا رہا تھا اور تم آرام سے بیٹھے ہوئے تھے تمہیں کچھ بھی پتا نہیں۔ میں نے کہا اس لئے کہ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ نے ہمیں پیغام دیا ہے کہ ہم یہ چھوٹے چھوٹے سفر کرتے ہیں۔ بعض منازل کو پیش نظر رکھ کر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یاد کراتا ہے کہ اپنی آخری منزل نہ بھول جانا۔ وہ اصل منزل ہے اور دائمی مقام ہے۔ ہم نے لوٹ کر وہیں آنا ہے تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ آج چلے جائیں، کل جائیں، جانا تو وہیں ہے۔ فرق کیا پڑتا ہے۔

پس مومن کو ایسی دعا کے بعد کا یہ جملہ غیر معمولی تقویت دیتا ہے۔ اول تو یہ کہ اس دعا کی

برکت سے میرا ایمان ہے کہ بہت سے حادثات سے مومن بچایا جاتا ہے اور جہاں مقدر ہو بھی وہاں بڑی شان اور طمانیت کے ساتھ خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔

پس دعائیں وہی کیا کریں جو انعام یافتہ لوگوں کی دعائیں ہیں مگر انعام یافتہ لوگوں کی اداؤں کے ساتھ ان کے مضامین میں ڈوب کر دعائیں کیا کریں۔ یہ دعا چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو سکھائی گئی تھی اس لئے ساتھ ہی اس کے گہرے مطالب بھی بتا دیئے گئے جن کو آپ سے بہتر اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ تو اور تیرے ساتھی یہ دعائیں تو کیا کرو گے لیکن ہمیشہ یہ یاد رکھتے ہوئے کہ بالآخر خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

اب ایک دعا ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ الانسان کی دعا ہے الانسان سے مراد یہ ہے کہ انسان کامل کی دعا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسی طرح اس دعا کو پیش فرمایا ہے اور اس سے میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً یہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی دعا ہے۔ اس میں الانسان کے لفظ کے سوا اور بھی اشارے ہیں جو اس دعا کو آنحضرت ﷺ کی دعا بتاتے ہیں فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

(الاحقاف:۱۴) یقیناً وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے ثم استقاموا پھر وہ استقامت اختیار کرتے ہیں۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ان پر کوئی خوف نہیں آتا اور کبھی وہ اپنی ضائع شدہ چیزوں پر غم نہیں کرتے۔ یَحْزَنُوْنَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غم کے موقعے ان کو پیش نہیں آتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خوف آتے ہیں تو آتے ضرور ہیں لیکن وہ ان سے ڈرتے نہیں۔ مرعوب نہیں ہوتے بلکہ ہر خوف کے وقت خدا کا خوف ان پر غالب رہتا ہے اور دنیا کے خوفوں سے ان کو بچاتا ہے پھر کچھ نہ کچھ نقصان بھی پہنچتا ہے جیسے کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ بیان فرمایا گیا۔ لیکن ان نقصانوں کے نتیجہ میں غم میں مبتلا نہیں ہوتے۔ جاتا ہے تو کہتے ہیں ٹھیک ہے چلا گیا اور احمدیہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس دور میں بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایسے غلام پیدا ہوئے جن کا سب کچھ لوٹ لیا گیا لیکن وہ مسکراتے رہے۔ غم میں مبتلا نہیں ہوئے۔

میں نے پہلے بھی خطبہ میں ایک نوجوان کا ذکر کیا تھا جو ۱۹۷۴ء کے فسادات میں مجھے ملنے آیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملنے آیا تھا تو میں ان دنوں وقف جدید میں کام کیا کرتا تھا وہ

میرے پاس بھی آ گیا اور کمرے میں داخل ہوا تو باچھیں کھلی ہوئی، مسکراتا ہوا ہنستا ہوا بہت خاص خوشی کے مزاج کے ساتھ داخل ہوا اس کا نام نصیر تھا۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر میں نے کہا۔ نصیر! کیا بات ہے آج تم نے بہت کچھ پالیا ہے کہ تم اس طرح خوش ہو رہے ہو۔ اس نے کہا یہی سوال حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بھی مجھ سے کیا تھا اور ان کو بھی میں نے یہی جواب دیا تھا کہ آج ہم نے خدا کی راہ میں سب کچھ کھو دیا ہے۔ یہ خوشی ہے۔ چاولوں کی ملیں اور کارخانے تھے۔ خدا کے فضل سے بڑا کھاتا پیتا گھر تھا۔ انہوں نے بتایا کہ سارا دن ٹرک لدلد کے بوریاں ڈھوتے رہے (ڈھونا پنجابی میں سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کو کہتے ہیں) اور کسی نے بھی پوچھا نہیں اور نہ پولیس آئی اور نہ کسی کو پرواہ ہوئی یہاں تک کہ سب کچھ صاف ہو گیا۔ کارخانہ بھی برباد دیواریں منہدم کر دی گئیں اور میں اب اس لئے خوش ہوں کہ بہت مزے میں ہوں کہ اب سب کچھ اللہ نے پھر دوبارہ دینا ہے۔ ہم نے تو جو کچھ تھا وہ سب اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

پس وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا یہ مطلب ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ جن میں ایمان کی کمی ہوتی ہے ان کو آپ دیکھیں چھوٹا سا نقصان پہنچے تو جان کا زیاں کر بیٹھتے ہیں۔ وہ اس غم میں گھل گھل کر اپنی جان ضائع کر دیتے ہیں تو کتنا فرق کتنے عظیم الشان بندے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں اور آپ ہی کے تربیت یافتہ ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے متعلق فرما رہا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ دیکھو کیسے شاندار بندے ہیں میرے جب وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے تو پھر کسی اور کو رب نہیں مانتے۔ یہاں رَبُّنَا اللّٰهُ میں یہ مضمون ہے۔ رب کا مطلب ہے پرورش کرنے والا، سب کچھ عطا کرنے والا، زندگی کے گزارے دینے والا، ادنیٰ حالتوں سے ترقی دے کر اعلیٰ حالتوں کی طرف لے جانے والا۔ رب تو خدا کو کہیں مگر دنیا کی طاقتوں سے ڈر جائیں اور ان کو رب سمجھ لیں خدا فرماتا ہے ایسا نہیں ہوتا۔ میرے بندے وہی ہیں جو میرے رب کہنے کے بعد پھر میرے ہو رہتے ہیں اور ان کی نشانی کیا ہے فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ دنیا کا کوئی خوف ان پر غالب نہیں آ سکتا۔ بے خوف ہو جاتے ہیں اور جو بھی نقصان پہنچ جائے ان کو غم نہیں ہوتا۔ ہمیشہ سکینیت کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ کتنا عظیم الشان انسان ہے جو قرآن کریم پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے الانسان کی دعا کے طور پر پیش فرمایا کہ ابھی ان کی صفات بیان ہو رہی ہیں

دعا ابھی آگے آنی ہے فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (الزخرف:۱۵) یہی وہ لوگ ہیں جو جنتوں میں داخل کئے جائیں گے اور پھر ہمیشہ رہیں گے۔ ان جنتوں سے ان کو کبھی نکالا نہیں جائے گا۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ ان کے اعمال کی جزاء ہے جیسا کہ وہ ہمیشہ کے لئے خدا کے ہو گئے تھے۔ خدا ہمیشہ کے لئے ان کا ہو جائے گا۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا (الزخرف:۱۶) ہم نے الانسان یعنی محمد رسول اللہ کو، انسان کامل کو یہ نصیحت فرمائی کہ اپنے والدین سے احسان کا سلوک کرو۔ یہاں یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو اپنے والدین کا منہ نہیں دیکھا۔ والدہ کو دیکھا لیکن تھوڑے عرصہ کے لئے اور والد تو بعض روایات کے مطابق آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ پس بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا کا کیا مطلب ہے۔ یہاں دراصل آنحضرت ﷺ کو جو نصیحت ہے وہ تمام بنی نوع انسان کو نصیحت ہے کیونکہ انسان کامل کو جو نصیحت کی جائے اس میں تمام ادنیٰ انسان شامل ہو جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مزید کسی تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ فرمایا ہم نے انسان کامل سے یہ کہا تھا کہ یاد رکھو کہ اپنے والدین سے ہمیشہ احسان کا سلوک کرنا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا یہ مضمون بھی دیکھ لیجئے عام ہے۔ تمام بنی نوع انسان پر یہ مضمون مشتمل ہے۔ آگے جا کر یہ مضمون اور رنگ اختیار کر جائے گا۔ تم دیکھو تمہاری ماؤں کا تم پر احسان ہے یا اگر لفظی ترجمہ کریں تو غائب میں مضمون بیان ہو رہا ہے تو حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا ترجمہ ہوگا ہر انسان کی ماں اسے بہت تکلیفوں سے پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے۔ وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا اور بہت تکلیف کے ساتھ جنم دیتی ہے۔ نو مہینے تک اپنے پیٹ میں پالتی ہے۔ ایسی حالت میں کہ وہ بہت ہی ادنیٰ حالت سے ترقی کرتے کرتے انسان کی حالت تک پہنچتا ہے۔ اب آپ دیکھیں جس نے رَبُّنَا اللّٰهُ کا دعویٰ کیا تھا اسی کی مزید صفت بیان ہوئی ہے۔ رب کا مطلب ہی یہ ہے ادنیٰ سے ترقی دے کر اعلیٰ حالت تک پہنچانے والا۔ انسانی رشتوں میں اس کی بہترین مثال ماں بنتی ہے فرمایا اپنی ماں کی طرف دیکھو کہ ہر انسان کی ماں نے اسے بڑی مصیبتوں سے پیٹ میں پالا اور پھر بڑے خطرات کے ساتھ اس کو جنم دیا۔ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اور یہ عرصہ پیٹ میں اٹھائے پھرنے کا اور پھر وضع حمل کا اور پھر دودھ پلانا یہ تیس مہینوں تک پھیلا ہوا ہے حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً یہاں تک کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ گیا

اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ تو اس نے دعا کی جو میں بیان کروں گا۔ یہاں میں نے کہا تھا کہ آگے جا کر مضمون بدل جائے گا۔ ایک مضمون ہے عام جو سارے بنی نوع انسان میں مشترک ہے۔ ہر ایک کی ماں اسی طرح اسے جنم دیتی ہے لیکن ہر شخص احسان مند نہیں ہوا کرتا۔ اب واپس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف مضمون لوٹ گیا ہے۔ ایک عام واقعہ بیان کر کے جو سب بنی نوع انسان میں مشترک ہے پھر الانسان بمعنی محمد رسول اللہ اس مضمون کو دوبارہ اٹھالیا گیا اور یہ کہا گیا کہ جب وہ بلوغت کو پہنچا اور ۴۰ سال کی عمر کو پہنچا اور ۴۰ سال کی عمر آپ کی نبوت کی عمر تھی اس لئے ۴۰ سال کا لفظ استعمال ہوا ہے ورنہ ہر انسان تو ۴۰ سال کی عمر کو پہنچنے پر یہ بات نہیں کہا کرتا۔ پس یقیناً قطعی طور پر یہاں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں اور آپ کا نقشہ بیان فرمایا ہے کہ آپ نبوت پانے کے بعد کیا دعائیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس نعمت کا شکریہ ادا کر سکوں جو تو نے مجھ پر کی اور اس نعمت کو تمام کر دیا۔ (تمام کا مضمون لفظاً ظاہر نہیں لیکن نبوت میں تمام کا لفظ شامل ہوتا ہے اس لئے تمام کا لفظ داخل کیا) آیت کریمہ فرماتی ہے رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس نعمت کا شکریہ ادا کرتا رہوں۔ شکریہ ادا کر سکوں اس کی توفیق پاؤں جو تو نے مجھ پر فرمائی۔ وَعَلٰی وَالِدَیَّ اور میرے والدین پر تو نے جو نعمت کی ہے اس کا بھی میں شکر ادا کروں۔

اب دیکھیں یہاں والدین سے آنحضرت ﷺ کے احسان کا یہاں ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ آپ کے والدین پہلے گزر چکے تھے۔ یہ مضمون لگتا ہے دو دھاگوں سے بنا ہوا ہے کبھی عام ہو جاتا ہے کبھی خاص ہو جاتا ہے۔ عام ہو جاتا ہے تو تمام بنی نوع انسان پر پھیل جاتا ہے جب سمٹتا ہے تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں سمٹ آتا ہے۔ آپؐ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے خدا! مجھ پر تو نے جو اتنا بڑا احسان فرمایا یہ توفیق عطا فرما کر اس پر شکر کا حق ادا کر سکوں اور صرف اسی کا نہیں بلکہ اپنے والدین کی طرف سے بھی تیرا شکر ادا کروں۔ صاف ظاہر ہے کہ والدین گزر چکے ہیں اور ان کو پتا نہیں کہ کیا نعمت ان کو ملی ہے اور واقعۃً آنحضرت ﷺ کے والدین گزر چکے تھے ان کو کیا پتا تھا کہ ان کی

صلب سے دنیا کا سب سے بڑا انسان پیدا ہونے والا ہے اور وہ ایسے اعلیٰ مدارج تک پہنچے گا کہ کبھی کسی انسان کے تصور میں بھی یہ نہیں آ سکتا تھا کہ کوئی شخص خدا کے اتنا قریب ہو جائے اور چونکہ والدین ایسی حالت میں گزر رہے تھے کہ ابھی وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور نہ مسلمان ہو سکتے تھے اور انبیاء کو حکم نہیں ہے کہ وہ اپنے ان والدین کے لئے دعا کریں جن کے متعلق احتمال ہو کہ وہ مشرک ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے دعا نہیں کی بلکہ یہ عرض کیا ہے کہ اے خدا! ان پر بھی تو نے بہت بڑا انعام کیا ہے۔ اتنا بڑا انعام کہ مجھے ان کے گھر پیدا کر دیا اور وہ شکر ادا نہیں کر سکتے۔ ان کو علم نہیں ہے کہ کیا احسان تو نے ان پر کیا ہے۔ مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ان کی طرف سے تیرا شکر ادا کروں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی مغفرت کی دعا کرنے کا اس سے اعلیٰ طریق اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا اور ان معنوں میں احسان کا بدلہ بھی اتار گئے۔ مضمون دیکھیں کس طرح اٹھایا گیا ہے کہ والدین کے احسان کو یاد کرو۔ والدین کے احسان کو یاد کر کے آنحضرتؐ فرماتے ہیں اے خدا! ان کی طرف سے مجھے شکر کی توفیق عطا فرما۔ پس جن کی طرف سے محمد رسول اللہ شکر ادا کر رہے ہوں کیسے ممکن ہے میں تو یقین نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت کا سلوک نہ فرمائے وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ اور شکر کی تعریف فرما دی۔ ہم جو زبانی شکر ادا کرتے رہتے ہیں یہ تو کوئی شکر نہیں۔ فرمایا شکر کس طرح ادا کروں فرمایا وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ میں ہمیشہ ایسا عمل کروں کہ جن کے نتیجہ میں تو راضی ہوتا رہے۔ اس میں شکر کا فلسفہ بھی بیان ہو گیا۔ ایک انسان شکر اس لئے کرتا ہے کہ کوئی شخص اس پر احسان کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اس احسان کا بدلہ چکا سکے۔ خدا کو آپ احسان کا بدلہ نہیں دے سکتے لیکن احسان کا بدلہ چکانے کی روح یہ ہے کہ جب آپ احسان اتارتے ہیں تو اگلا راضی ہوتا ہے۔ جب آپ کو کوئی تحفہ دے اور آپ اس کو اس سے بڑھ کر تحفہ دیں تو تحفے تو عارضی چیزیں ہیں بعض دفعہ وہ خود استعمال بھی نہیں کرتا کسی اور کو دے دیتا ہے یا پھینک دیتا ہے یا اس کے کام کی چیز نہیں ہوتی لیکن وہ راضی ہو جاتا ہے اگر محبت سے ایک ذرہ بھی کسی کو تحفہ دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتا ہے تو کیسا عمدہ گہرا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا۔ فرمایا کہ میں تو تجھ پر احسان کر نہیں سکتا لیکن تجھے راضی تو کر سکتا ہوں اور احسان کا بدلہ تو اسی لئے چکایا جاتا ہے کہ کوئی راضی ہو جائے پس اب تو ایسا فیصلہ فرما کہ ایسے عمل کی تو مجھے خود توفیق عطا فرما، مجھے معلوم نہیں تو کس عمل سے راضی ہوگا جن سے بھی تو راضی ہوتا ہے وہی

عمل میں کرتا چلا جاؤں اور ساری زندگی میں تیری رضا حاصل کرتا رہوں۔ تجھے خوش کرتا رہوں۔ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اور یہی نہیں میری ذریت کو بھی صالح بنا دے اور اس ذریت میں آپ سب شامل ہیں۔ صرف آنحضرت ﷺ کی جسمانی اولاد ہی نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان جنہوں نے آپ سے تعلق جوڑنا تھا یا آئندہ جوڑیں گے وہ سارے اس دعا میں شامل ہو جاتے ہیں اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (الاحقاف:۱۶) دیکھیں اب بات کس طرح کھل گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ عرض کرتے ہیں تو تو جانتا ہے میں تیری طرف لوٹ آیا ہوں میں تو ایسی توبہ کر چکا ہوں کہ کبھی کسی نے ایسی توبہ نہیں کی ہوگی اور مجھے کچھ نہیں چاہئے میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ ہاں میں مسلمان ہوں۔

پس اس کے نتیجہ میں میرے بعد میں آنے والے تعلق رکھنے والوں سے بھی احسان کا سلوک فرما اور ان کو بھی ایسے اعمال کی توفیق بخش جن کے ذریعے تو راضی ہو جائے۔ پس اسی دعا پر میں آج کا خطبہ ختم کرتا ہوں لیکن میں آپ کو ایک دفعہ پھر توجہ دلاتا ہوں کہ اس دعا کی دنیا میں ہر جگہ پر ہر دور کے انسان کو ضرورت پڑتی ہے لیکن جیسی آج کے دور میں اس دنیا میں اس جگہ جہاں سے میں یہ خطبہ دے رہا ہوں اس دعا کی ضرورت ہے شاید کبھی کسی اور جگہ ایسی دعا کی ضرورت نہ پڑی ہو۔ ایسے ظالم ماحول میں آپ بس رہے ہیں جس کی فضا زہریلی ہے۔ جب بچے سانس لیتے ہیں تو دو قسم کی پولوشن میں مبتلا ہوتے ہیں ایک پولوشن (Polution) تو بنی نوع انسان کو نظر آ رہی ہے اور اس کے خلاف ان کے دماغ روشن ہو گئے ہیں وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کسی طرح اس پولوشن (Polution) کو کم کریں۔ اس فضاء کی وہ آلودگی جو جرائم کے ذریعہ خاک کے ذروں کے ذریعہ دھوئیں کے ذریعہ زہریلی گیسوں کے ذریعہ دنیا کو نظر آتی ہے اس سے وہ بڑے سخت متنبہ ہو چکے ہیں اور کوشش بھی کر رہے ہیں لیکن ایک آلودگی ایسی ہے جو اس سے بہت زیادہ ہلاک کرنے والی ہے اور وہ روح کو ہلاک کرنے والی آلودگی ہے وہ اس فضا میں اتنی زیادہ ہے کہ اگر ان کو پتا چلے کہ کس فضا میں دم لے رہے ہیں تو اس خوف سے ان کے دم نکل جائیں کہ کیا ہوا ہے جو ہم اپنی سانسوں میں لے رہے ہیں۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں۔

پس جب آپ یہ دعا کیا کریں تو اس رنگ میں دعا کیا کریں کہ آپ نے بھی اس آلودگی سے بچنا ہے اور اپنے ساتھیوں کیلئے بھی دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس آلودگی سے ان کو بھی بچائے

کیونکہ یہ فضا واقعی بہت گندی ہے۔ میں نے بہت سے احمدی ماں باپ کو روتے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں اس طرح ہماری بچی ہاتھ سے نکل گئی، اس طرح ہمارا بچہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ اس کے نظریات تبدیل ہو جاتے ہیں زندگی کے متعلق اس کا تصور بدل جاتا ہے اور کوئی نصیحت اس پر کام نہیں کر سکتی۔ وہ اور رنگ میں دیکھ رہا ہوتا ہے ماں باپ اور رنگ میں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں دعاؤں ہی کا سہارا ہے اور دعا کے علاوہ اور بھی باتیں ہیں جو میں بعض دوسری جگہ بیان کرتا چلا آیا ہوں اور آئندہ بھی بیان کروں گا۔ مگر ہمارا سب سے طاقتور سہارا دعا ہے اور دعاؤں سے میں سمجھتا ہوں یہ دعا جو میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی ہے یہ امریکہ کے حالات میں اور باقی دنیا کے حالات میں بھی آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ اس دعا کا حق ادا کرتے ہوئے اس میں ڈوبتے ہوئے خاص سوز کے ساتھ اپنے لئے اپنی آئندہ نسلوں کے لئے دعا کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو قبول فرمائے۔ آمین۔